© rasailojaraid.com

نقد و نظر

مقالاتِ احسانی :- از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم و مغفور، شائع کردہ ادارۂ مجلس علمی کراچی ۔
ضخامت ۴۹۶ صفحات قیمت [illegible] ، ملنے کا پتہ ادارۂ مجلس علمی پوسٹ بکس ۴۸۸۳ نزد میری ویدر ٹاور کراچی ۔

مولانا گیلانی جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے دل کو بڑا دکھ ہوتا ہے اس صدی کے نامور علماء میں سے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ذات میں بہت سی ایسی خوبیاں جمع کر دی تھیں جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں، وہ بیک وقت ایک بلند پایہ منطقی بھی تھے اور فلسفی بھی، متکلم بھی تھے اور صوفی بھی، مفسّر بھی تھے، اور واعظِ شیریں زبان بھی، جس طرح علوم قدیمہ اور جدیدہ دونوں پر گہری نظر رکھتے تھے ۔ اسی طرح ان کے اندر عقلیت اور روحانیت کا بھی خوشگوار امتزاج پایا جاتا تھا اگر وہ فارابی اور امام رازی کی تصانیف سے واقف تھے تو شیخ اکبرؒ اور مرشد رومیؒ کے علوم سے بھی بخوبی آشنا تھے سچ تو یہ ہے کہ میں ان کے علمی اور روحانی کمالات کے اظہار کی صلاحیت بھی اپنے اندر نہیں رکھتا ۔ ایسے لوگ کہیں صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں ۔

میں نے انہیں مئی ۱۹۴۶ء میں پہلی اور آخری مرتبہ دیکھا تھا ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب میں الہ آباد سے بی اے کا امتحان دے کر اپنے وطن مالوف بریلی واپس آیا تھا ۔ مولانا مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر دیوبند سے جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے ۔ چونکہ میں اس مدرسہ کے ایک استاد مولانا سلطان احمد خاں صاحب طوروی مرحوم سے منطق پڑھنے جایا کرتا تھا ۔ اس لئے مجھے مرحوم کی تقریر سننے کا موقع مل گیا ۔ اس وقت ان کی عمر ۵۴ سال کی تھی جب میں رات کے آٹھ بجے جلسہ گاہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ لوگ ان کی تقریر کے مشتاق تھے اور مدرسہ کے طلبہ ان کا ذکر کر رہے تھے کہ آج مولانا کی تقریر ہوگی ۔

رات کے دس بجے ان کی تقریر ہوئی ۔ وہ سماں آج بھی چالیس سال گذر جانے کے باوجود میری آنکھوں میں ہے جب وہ اسٹیج پر آکر کھڑے ہوئے تو سارا مجمع ہمہ تن گوش بن گیا سرخ سفید رنگ، میانہ قد متناسب اعضاء، نورانی چہرہ، ایسا دلکش کہ طبیعت دیکھنے سے سیر نہ ہو، آنکھوں میں قدرتی چمک اور جاذبیت، ہونٹوں پر تبسم، دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا جاتا تھا ۔ بس زندگی میں ایک دفعہ انہیں دیکھا اور صرف ایک ہی تقریر سنی، لیکن ان کی شخصیت کا نقش ہمیشہ کے لئے دل پر ثبت ہو گیا ۔ غائبانہ تعلق خاطر ایسا پیدا ہوا کہ ان کی وفات بھی اسے منقطع نہ کر سکی، چنانچہ آج بھی ان کی تصنیف "الدین القیم" میری میز کی زینت بنی ہوئی ہے ۔ جی چاہتا ہے افادۂ عام کے لئے ان کی مختصر سوانح حیات بھی لکھ دوں ۔

مولانا گیلانی صوبہ بہار میں ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی، چونکہ مولانا کے چچا اور والد دونوں عالم دین تھے ۔ اس لئے انہوں نے مولانا کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ٹونک بھیجا، کیونکہ اس شہر میں ہندوستان کا سب سے بڑا معقولی علم و حکمت کے خزانے لٹا رہا تھا، میری مراد حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد صاحب مرحوم سے ہے ۔ جو شمس العلماء مولانا عبد الحق خیر آبادی مرحوم کے جانشین تھے اور معقولات کے امام تھے ۔

اس مدرسہ میں مولانا نے نو سال تک تعلیم پائی اور معقول و منقول دونوں میں امتیازی درجہ حاصل کیا ۔ خیر آبادی علماء کا طریق تعلیم ایسا ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کے ساتھ ساتھ فن بھی پڑھا دیتے ہیں۔ اور چونکہ معقول اُنکا طغرئے امتیاز ہے اس لئے مولانا کو منطق فلسفہ اور کلام میں ایسی مہارت حاصل ہو گئی۔ کہ وہ نصوص الحکم، فتوحات مکہ۔ اسفار اربعہ، مباحث مشرقیہ، اُفق المبین، شرح تجرید، حاشیہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، حاشیہ ملا غلام یحیٰ بہاری اور حاشیہ علامہ فضل حق خیر آبادی، جیسی ادق کتابوں کے مشکل ترین مقامات پر نہایت فاضلانہ تقریر کر سکتے تھے۔

مدرسہ خلیلیہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے کچھ عرصہ اجمیر میں قیام کیا، جہاں حضرت حکیم صاحب مرحوم کے شاگرد خاص اور جانشین حضرت علامۃ الہند مولانا معین الدین صاحب اجمیری مرحوم ایک عالم کو اپنے دریائے علم و فضل سے سیراب کر رہے تھے دوران قیام اجمیر میں مولانا نے فاضل اجمیری مرحوم سے منطق فلسفہ عقائد کلام اور الٰہیات کے مشکل ترین مباحث پر روشنی حاصل کی اور ان کے فضل و کمال کے اس درجہ معترف ہوئے کہ ساری عمر اُنہیں ہی اپنا اُستاد تسلیم کرتے رہے۔

فاضل اجمیری مرحوم کے علمی اور عملی کمالات اور فضائل کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن اس قدر لکھے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ خیر آبادیوں کے کمالات علمیہ کا مولانا کی ذات پر خاتمہ ہو گیا۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت موصوف کے شاگرد رشید مولانا منتخب الحق صاحب مدظلہ العالی ریڈر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی بلا مبالغہ اس وقت معقولات میں منتخب روزگار ہیں لیکن خود انہوں نے بارہا مجھ سے فرمایا کہ مجھے اپنے اُستاد سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور یہ بات ہے بھی صحیح۔

چونکہ مولانا گیلانی مرحوم کا رجحان معقولات کے بجائے منقولات کی طرف تھا۔ اس لئے قیام اجمیر کے بعد وہ دیوبند آئے اور یہاں اکر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ اور امام العصر مولانا انور شاہ صاحب مرحوم سے حدیث اور فقہ کی تکمیل کی اور دو سال میں اس درس گاہ سے بھی سند فراغ حاصل کر لی۔

ٹونک کی طرح دیوبند میں بھی مولانا اپنی ذہانت کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے منظور نظر بن گئے تھے، چنانچہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوراً ان کو مسند درس عطا کر دی گئی، یہاں ۱۹۲۰ء تک مدرسی کے فرائض انجام دیئے، اسی سال جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) میں لیکچرار شعبہ دینیات ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس شعبہ کے صدر ہو گئے۔ ان کے ایک شاگرد مولوی غلام محمد صاحب لکھتے ہیں "مولانا گیلانی کی دقت فکر، وسعت نظر، علوم دینی میں ان کا تبحر، مسائل حاضرہ پر ان کی دسترس، ان کی علمی دیانت مجتہدانہ جرأت، ان کی بے لوث خدمت اور جامعہ سے ان کی شیفتگی نے ان کی شخصیت کو ہر دور کے طلباء اور ہر شعبہ کے اساتذہ میں وہ عظمت اور محبوبیت عطا کر دی تھی، جو ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی کو نہ مل سکی"

۱۹۴۹ء میں مولانا جامعہ عثمانیہ کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن تشریف لے گئے اور ۵ رجون ۱۹۵۶ء کو وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مقالاتِ احسانی کا تعارف:۔ اس کتاب میں چھ مقالات ہیں پہلے مقالے میں مولانا نے طریقۂ غزالیہ اور طریقۂ اشتغال مطلقہ کا موازنہ کیا ہے۔

دوسرے مقالے میں مولانا نے امام غزالی کے دور کی سیاسی حالت، انکی زندگی کی خصوصیات، اُن کی صوفیانہ تصنیفات خصوصاً احیاء العلوم کی ہمہ گیری کو واضح کیا ہے اور آخر میں طریقۂ غزالیہ پر نہایت عارفانہ تنقید فرمائی ہے

تیسرے مقالہ میں انہوں نے بصرے کی دو ممتاز ہستیوں (حسن بصریؒ اور علامہ ابن سیرینؒ) کا تذکرہ سپرد قلم کیا ہے۔

چوتھے مقالہ میں انہوں نے شیخ اکبر قدس سرہٗ سے بطور خاص اور شاہ ولی اللہؒ سے ضمناً استفادہ کر کے یہ بتایا ہے کہ حصول احسان کی وہی ایک راہ نہیں ہے۔ جس کو طریقۂ غزالیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، بلکہ ایک راہ وہ بھی ہے جو طریق صحابہؓ سے زیادہ قریب ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں ترک اسباب اور دنیا سے گریز کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ دنیاوی اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود مسبب الاسباب پر بھروسہ رکھنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے یعنی اصلاح فکر کے ذریعہ سے مقام احسان تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریق میں سالک کو طویل مجاہدات کی حاجت نہیں ہوتی۔ مولٰنا گیلانی مرحوم کی یہ تجویز دراصل ان کے شیخ طریقت مولٰنا محمد حسین صاحب حیدرآبادی رحؒ کے طریق تلقین کا نتیجہ ہے۔ اس کا اندازہ حضرت موصوفؒ کے اس جملہ سے ہوسکتا ہے جسے وہ اکثر بیان کیا کرتے تھے:-

"جس طرح ایک انسان لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرکے ایک سکینڈ میں کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوجاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان اِن اللہ مَعَنَا کا استحضار کرکے ایک سکینڈ میں مرتبۂ احسان پر فائز ہوجاتا ہے۔

پانچویں مقالے میں انہوں نے امام ابن تیمیہؒ کے نظریۂ مخدومیت پر تنقید کی ہے۔

دراصل چوتھا مقالہ ان پانچوں مقالات کی جان ہے۔ مولٰنا کا مقصد اس مقالے سے یہ ہے کہ آج کل کا مسلمان جس کی زندگی میں فرصت کم اور مشاغل زیادہ ہیں، تھوڑی سی توجہ یعنی تصحیح فکر کی بدولت اُس مقام کو حاصل کرسکے جسے حدیث نبوی میں مقام احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اب رہا چھٹا مقالہ تو وہ ایک جداگانہ چیز ہے اور اپنی جگہ اس قدر قیمتی ہے کہ انشاء اللہ میں اسے "ندائے حق" میں بالاقساط شائع کرونگا یہ مقالہ ان حقائق و معارف پر مشتمل ہے جو شیخ اکبرؒ کی فتوحات مکیہ اور مولٰنا رومؒ کی مثنوی کے مطالعے کے دوران میں ان پر منکشف ہوئے مولٰنا نے ان معارف کو "مجالس الشیخین" کے عنوان سے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس کی تصریح خود مولٰنا کی زبان سے سنئے:-

"جیسا کہ عرض کرچکا ہوں محض ذاتی تسکین و تشفی کے لئے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت مولٰنا معنویؒ کے افادات علمیہ کو مذکورہ بالا عنوان کے تحت فقیر نے قلمبند کرنا شروع کیا تھا۔ حاشیۂ خیال میں یہ بات نہ تھی کہ ان کے اس قدر جلد شائع ہوجانے کی صورت سامنے آجائیگی مگر حالات ایسے پیش آگئے کہ نظرثانی کئے بغیر ہی اس مضمون کو "دارالعلوم" دیوبند بھیجنا پڑا۔"

مولٰنا نے مجالس الشیخین پر جو دیباچہ لکھا تھا اسے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ آئندہ پرچہ سے مجالس کا سلسلہ شروع ہوگا (انشاء اللہ)

دیباچہ مجالس الشیخین:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

مدت سے خاکسار کا یہ دستور ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے جب کبھی دل پریشان ہوتا ہے تو فتوحات مکیہ یا مثنوی معنوی کا مطالعہ بغیر کسی ترتیب کے شروع کردیتا ہوں۔ کل خیال آیا کہ ان دونوں بزرگوں کی حضوری میں جن جن باتوں سے دل متاثر ہوتا ہے ان کو روزانہ اپنے الفاظ میں قلمبند کرلیا کروں۔ اور جب یہ چیزیں کافی مقدار میں جمع ہوجائیں تو انہیں کتابی شکل میں شائع کردیا جائے۔ میں اپنی اس کتاب کا نام "مجالس الشیخین" یا "دل کا چین" رکھتا ہوں، یہی نام اس وقت میرے قلب میں بغیر قصد و ارادے کے ڈالا گیا ہے۔

ان مجالس کی ترتیب کا مقصد:- مقصود ان مجالس سے یہ ہے کہ آجکل ایک گاؤں اور وہ بھی ایسے گاؤں میں آکر مقیم ہوگیا ہوں جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو تین خاندان باقی رہ گئے ہیں ان کے علاوہ تمام ہنود اور عام طبقے کے کچھ مسلمان ہیں جن سے کسی قسم کی ایمانی گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور آج تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ شہروں میں بھی اس قسم کی مجلسیں میسر نہیں آتیں جہاں جائیے بس اخباروں کی خبروں کا تذکرہ اور انہی خبروں سے نکالے ہوئے ناقص نتائج سے مسرت یا غم کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہے لیکن کوئی شخص زندگی کے اس خواب کی تعبیر جاننا نہیں چاہتا نہ لوگ خود سوچتے ہیں نہ دوسروں کی بات سننی چاہتے ایسی حالت میں گزرے ہوئے بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری کی ایک صورت اس تدبیر سے نکل آئی ہے۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا میسر آسکتی ہے کہ حق تعالٰی نے اس کو دہ گاؤں میں اپنے کلام پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک اور مولٰنا رومیؒ اور شیخ اکبرؒ کی برکات سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمایا ہے"

"موضع گیلانی بہار، کہف الایمان" (مارچ ۱۹۵۰ء)

© rasailojaraid.com